© rasailojaraid.com

دیس بہ دیس: مسیحی سرگرمیاں اور مسلم۔ مسیحی روابط

مشرقِ وسطیٰ: مسیحی اور مسلم آبادی

[۱۹۹۷ء میں یوسف کوربیج (Youssef Courbage) اور فلپ فارگوس (Philippe Fargues) کی مشترکہ کاوش Christians and Jews in Islam شائع ہوئی تھی۔ چند ماہ پہلے یوسف کوربیج نے مشرقِ وسطیٰ میں مسلمانوں اور مسیحیوں کی آبادی میں تغیر وتبدل کے حوالے سے لائیڈن (نیدرلینڈز) کے ''بین الاقوامی ادارہ برائے مطالعہ اسلام در دنیائے جدید'' کے نیوز لیٹر میں اظہار خیال کیا تھا۔ ذیل میں مضمون نگار اور ''نیوز لیٹر'' کے ناشرین کے شکریے کے ساتھ مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ بیانِ واقعات اور تجزیے میں مضمون نگار کا جھکاؤ واضح طور پر مسیحیت کی جانب ہے، تاہم مضمون افادیت کا حامل ہے۔ مدیر]

چار دانگ عالم ___ بلقان (کوسوو، بوسنیا)، انڈونیشیا (ملکاس، مشرقی تیمور)، افریقہ (سوڈان) اور ارضِ مقدس (ناصرہ) ___ میں مسیحیت اور اسلام ایک دوسرے سے نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں۔ یورپ میں اس وقت جو صورتِ حال ہے، یہ دائمی کشمکش کی غماز ہے، تاہم واقعات سے مستقبل کا جو ہیولیٰ بنتا ہے، وہ [مکمل نہیں بلکہ] جزوی ہے، گو واقعات سے مذہبی کشمکش کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ بحیرہ روم کے جنوب میں واقع ممالک میں ہمیں اسلام کی تقسیم کے بغیر حمران نظر آتا ہے، مگر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ عرب دنیا اور ترکی میں مذہبی یکسانیت، جو آج معمول کی بات ہے، روزِ اول سے نہیں تھی۔ ساتویں صدی میں، جب مجاہدین اسلام عرب سے باہر نکلے، اور اس کے بعد آنے والی صدی میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان تعلق محض باہمی کشمکش کا نہ تھا۔ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے زیادہ مواقع، اور اسی طرح ایک سے زیادہ مقامات پر مسیحیت کا اثر و رسوخ غیر متوقع طور پر بحال ہوا ہے۔

مسلمانوں اور مسیحیوں کے باہمی ربط و تعلق میں تبدیلیوں کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ رہنما کتابوں سے رجوع کرتے وقت، ممکنہ غیر جانبداری کے پیش نظر، نظریہ ہائے حیات اور ان کی تشریح و توضیح کو ایک طرف رکھ دیا جائے۔ اس حوالے سے دونوں گروہوں کے درمیان تعلق کے تغیر و تبدل کی جانچ پرکھ کے لیے مطالعہ آبادی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ آبادی میں تغیر و تبدل پانچ طریقوں سے ہوتا ہے: (۱) ایک ایک فرد، پورے پورے خاندانوں یا گروہوں کی تبدیلی مذہب، (۲) قتل عام جو بیسویں صدی میں شاذ ہی رہا (سلطنت عثمانیہ میں ارمنی آبادی)، (۳) جبر و تشدد، مذہبی امتیاز یا خوش دلانہ ذاتی فیصلے کے تحت ترک سکونت، (۴) مسلمان مردوں اور مسیحی خواتین کے درمیان شادیاں جو دوسری نسل میں مسلمان بچوں پر ہی منتج ہوئی ہیں، (۵) دونوں گروہوں کے درمیان پیدائش اور موت کی شرح کے فرق، جن کے نتیجے میں مسلمانوں اور مسیحیوں کی آبادی متضاد انداز میں متاثر ہوئی۔

آج جو اعداد و شمار دستیاب ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب مشرق میں اسلام کو مستقل طور پر قدم جمانے کے لیے ہجرت نبوی سے لے کر مصر کی مملوک سلطنت تک نو صدیوں کا عرصہ لگا۔ یہ کوئی فوری مذہبی تبدیلی نہ تھی جیسا کہ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں۔ دینیاتی اور قومی عداوتوں نے اندر ہی اندر مسیحیت کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں، اور انہی کی وجہ سے اسلام کے دل جیتنے کا عمل تیز ہوا تھا۔ مسلمانوں کے ہاں اہل کتاب کے لیے جو مقام طے کیا گیا ہے، اس کے آبادی پر الٹ اثرات ہوئے ہیں، اس مقام نے مسیحی برادریوں کو قائم رہنے کی اجازت دی، مگر ساتھ ہی ساتھ تبدیلی مذہب کی راہ ہموار کی ہے۔ بحیرہ روم کے مشرق میں مسیحی مرکزی آبادی قائم رہی، اور اس نے ثابت کیا کہ اسے دبایا نہیں جا سکتا۔ یہاں شمالی افریقہ جیسی صورت حال نہ تھی جہاں شکست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد مسیحیت کی از سرِ نو فتح سے خوف زدہ، اور نو مسلموں کے جوش و جذبہ سے سرشار المرابطون اور الموحدون نے بچے کھچے مقامی مسیحیوں کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کر دیا تھا۔

مقامی مسیحی برادریاں مشرق و مغرب کے تصادم کا کئی بار تختہ مشق بنیں اور ان تصادموں میں وہ کچلی گئیں۔ صلیبی جنگوں میں اسلام اور مسیحیت ایک دوسرے کے مدمقابل تھے، لیکن ان سے مشرق کے مسیحی اور مغرب کے مسیحی بھی ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے جن کے درمیان کچھ بھی مشترک نہ تھا۔ صلیبیوں اور ان کی لاطینی مذہبی قیادت کے ہاتھوں مشرقی مسیحیوں کی بے عزتی اور آئے دن کی دھمکیوں نے آپس کی بد اعتمادی کو ناچاقی میں بدل دیا تھا۔ مغرب کی جانب سے دو صدیوں سے زائد عرصے پر پھیلی ہوئی اس مداخلت کے مابعد اثرات لازمی تھے۔ ان میں سے ایک بنیاد پرستانہ اسلام کا ظہور تھا جو معاشرے میں مذہبی اختلافات برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسلام نے اپنی بالادستی قائم کی، نیز آبادی اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے مسیحیت کو کمزور کر دیا۔ صلیبی جنگوں کی روح بھی اچانک ختم نہ ہوئی۔ جب ۱۸۳۰ء میں چارلس دہم نے شمالی افریقہ کے ساحلوں کے معاملات سے نپٹنے کے لیے اپنے فوجی دستے روانہ کیے تو مقامی مسیحی آبادی کو نسیا منسیا ہوئے صدیوں کا عرصہ بیت چکا تھا۔ عکرہ کی فتح (۱۲۹۱ء) کے کوئی پانچ سو سال بعد، صلیبی جنگوں کی روح کا احیاء کرتے ہوئے، بادشاہ کے دل میں مسیحیت کے قدیم علاقوں کو "سچے" دین کے لیے ایک بار پھر فتح کرنے کا ارادہ موجود تھا۔ مذہبی حوالے سے نوآبادیاتی مہم کی ناکامی بہت نمایاں تھی، مگر زبان کے حوالے سے ہرگز نہیں۔ شمالی افریقہ کی آزادی کے چالیس برس بعد بھی فرانسیسی زبان کا اثر قائم ہے جو مزید گہرا ہو سکتا ہے۔

عثمانیوں نے مشرق اور عرب مغرب (یعنی افریقہ) کی فتح سے پہلے مسیحی بلقان کو مسیحی، یونانی، ارمنی شہزادیوں اور عام خواتین سے بکثرت شادیوں کے ذریعے فتح کر لیا تھا۔ وہ بین المذاہب مکالمے کا کافی تجربہ رکھتے تھے۔ انہوں نے مسیحی اقلیتوں کے ساتھ جو خصوصی برتاؤ کیا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی انہیں ''ملتوں'' کی شکل میں دوبارہ منظم ہونے کی اجازت دی، اس سے مسیحیت کا احیاء ہوا، جو اسی قدر شاندار تھا جس قدر غیر متوقع سمجھا جاتا تھا۔ عثمانیوں کے بارے میں بلقان کی پہلی قومی ریاستوں (یونان، سربیا) کے وجود میں آنے سے لے کر مشرقِ وسطی کی قومی ریاستوں تک، میں جو عمومی تاثر پایا جاتا ہے، اس کے برعکس انہوں نے اپنی قائم کردہ از حد وسیع و عریض سلطنت میں مختلف آبادیوں کو یکجا کرنے کی کوشش ضرور کی، مگر ان کی اصل کو نہ چھیڑا۔ بزنطینی سلطنت کے بعد پہلی بار مشرق کی مسیحیت کاروبار اور تجارت کے وسیع میدان میں سامنے آئی۔ اناطولیہ میں عثمانیوں نے ایک خطے کی نئی حد بندی کی اجازت دی جہاں مسیحیت نے مذہبی اور سیاسی انارکی کی قیمت چکائی تھی، اور عملاً نابود ہو گئی تھی۔ عثمانیوں کے زیر اقتدار ترکی (آج کی جغرافیائی حدود میں) اور مشرق وسطی کے شمالی ممالک (لبنان، شام، فلسطین، اسرائیل، عراق) میں مسیحی آبادی تین گنا ہو گئی۔ مملوک حکمرانوں یا سلاجقہ کے زمانہ آخر میں مسیحی آبادی ۷ فیصد سے بھی کم تھی اور جنگ عظیم دوم سے پہلے یہ ۲۰ - ۲۱ فیصد تھی۔ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں استانبول کی آبادی میں مسیحی اور مسلم برابر برابر تھے۔ اس کے برعکس عثمانی سلطنت کے قلب سے دور مصر نے مسیحیت کی اشاعت جدید میں حصہ نہ لیا۔

بیسویں صدی کے آغاز تک مشرقی مسیحیت کی اس استثنائی ترقی کا ایک سبب قبولِ اسلام کا کچھ حد تک خاتمہ تھا (بعض اوقات مسیحیوں کے قبولِ اسلام کے بجائے مسلمان حلقہ مسیحیت میں داخل ہوئے جیسے کہ وہ لبنان کے امیرانِ شہاب)۔ ایک اور سبب مخلوط شادیوں میں کمی تھی، نیز عثمانیوں کی جانب سے بلقان، حتی کہ مغربی یورپ سے مسیحی آبادی کے عرب اور ترک شہروں (مثال کے طور پر حلب اور استانبول) میں نقل مکانی کی حوصلہ افزائی بھی تھی۔ اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن کردار مسلمان اور مسیحی آبادی کی باہم مختلف شرح سے افزائش تھی، جس نے مسیحیوں کو فائدہ دیا۔ مسیحی شادیوں کے استحکام کے نتیجے میں زیادہ بچے ہوئے۔ مسیحی شادیوں کے استحکام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت بہت دور تک جاتی ہے، کیونکہ نویں صدی کے مصنف الجاحظ نے لکھا ہے کہ مسیحیوں کی یک زوجگی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے ''زمین کو بھر دیا ہے''۔ لبنان اور ترکی کی مردم شماریوں سے مسیحیوں کی بلند شرح پیدائش کی تصدیق ہوتی ہے۔ مزید براں شرح اموات میں فرق نے دونوں مذہبی گروہوں کے درمیان خلیج بڑھادی۔ مسیحی روایتی طور پر فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھے (یعنی فوج میں جانی نقصان صرف مسلمان آبادی برداشت کرتی تھی) اور یہ دوسری خدمات انجام دیتے تھے۔ ۱۸۱۲ء میں ان کی خدمت کو ۱۲ سال تک محدود کر دیا گیا تھا۔ عثمانیوں کی تاریخ میں سیکڑوں مسلح تصادموں کی وجہ سے مسلمانوں کی شرح اموات غیر معمولی طور پر زیادہ تھی جو امن کے زمانے میں بھی زیادہ محفوظ نہ تھے۔ متعدی امراض مسیحیوں کی نسبت مسلمانوں میں زیادہ تباہی مچاتی تھیں، اور اس کا سبب متعدی امراض سے نپٹنے کے طرز عمل میں باہمی فرق تھا۔ جدید طب اور تربیت، جو ''ملت'' کے اداروں سے مربوط تھی، اس نے مسیحیوں میں شرح اموات کو کم کر دیا تھا۔

سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے ساتھ اس کے ترک علاقوں میں مسیحیت کا خاتمہ اور عرب علاقوں میں زوال ہوا۔ سلطنت عثمانیہ میں، یا صحیح تر لفظوں میں جدید ترکی کے ظہور اور قوم پرستی کے ارتقاء میں تیس لاکھ مسیحیوں کو جلاوطنی یا موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔ ۱۹۱۴ء میں بارہ لاکھ ارمنی باشندے تھے، اور ۱۹۲۷ء میں وہ صرف ۷۷ ہزار رہ گئے۔ جنگ عظیم اول سے پہلے ۱۵ لاکھ یونانی تھے، ان میں سے ۱۳ سال بعد صرف ایک لاکھ ۳۶ ہزار استنبول میں اور دس ہزار اناطولیہ میں رہ گئے تھے۔ اس کے برعکس عرب دنیا میں مسیحی آبادی میں کمی کا سبب قتل عام یا جلاوطنی نہیں، بلکہ آبادی کے مختلف حصوں میں تغیر و تبدل تھا۔ ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ پورے مشرق وسطی کی آبادی میں مسیحیوں کا تناسب ۲۶ فی صد تھا، لبنان میں ۷۵ فی صد، فلسطین میں ۱۱ فی صد، شام میں دس فی صد، مصر میں آٹھ فی صد اور عراق میں دو فی صد۔ آج مسیحی آبادی مشرق وسطی میں دس فی صد سے بھی نیچے چلی گئی ہے (۱۹۹۵ء میں ۹،۲ فی صد تھی۔) لبنان میں ۴۰ فی صد، شام میں ۴، ۶ فی صد، مصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ۹.۵ فی صد فلسطین (مغربی کنارے، مشرقی بیت المقدس اور غزہ) میں ۳.۸ فی صد، اسرائیل میں دو فی صد اور عراق میں ۱.۵ فی صد۔ آبادی میں نمایاں کمی جس سے مسیحیت عثمانی سلطنت سے پہلے کے دور جیسی صورت اختیار کر گئی ہے، کا سبب یہ نہیں کہ مسیحی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ تبدیلی مذہب بہت ہی شاذ و نادر ہوتی ہے، نہ مسیحی آبادی کو جبراً علاقے سے منتقل ہونا پڑا یا کوئی قتل عام ہوا (۱۹۳۳ء میں عراق میں کالدین اور نسطوری مسیحیوں کے معاملات، اور لبنان میں ۱۹۷۵ء تا ۱۹۹۰ء کے نقصانات مستثنیٰ ہیں جن میں تمام برادریوں نے جانی نقصان برداشت کیا تھا۔) مسیحی آبادی میں کمی کو مخلوط شادیوں سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس بین الاقوامی نقلِ سکونت نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ مسلمانوں کی نسبت مسیحی امریکہ، افریقہ یا آسٹریلیا زیادہ گئے ہیں۔ علاقائی نقطہ نظر سے مصری، شامی، فلسطینی اور عراقی مسیحیوں نے لبنان میں سکونت اختیار کی ہے جہاں مسیحیوں کی بہتر نمائندگی تھی۔ اس طرح جن ملکوں سے وہ منتقل ہوئے ہیں، وہاں مسیحی موجودگی تیزی سے کم ہوئی ہے، البتہ اس کے ساتھ لبنان کو اہم مسیحی آبادی قائم رکھنے میں مدد ملی ہے، تاہم آبادی میں کمی کا ایک سبب بڑی حد تک بچوں کی پیدائش کے بارے میں رجحانات بھی ہیں جو بیسویں صدی کے آغاز میں مسیحیوں کے حق میں نہ تھے، اور انہوں نے مسیحی آبادی کم کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ مسیحیوں نے مسلمانوں سے بہت پہلے چھوٹے خاندان کا تصور اپنایا تھا، اور تغیر آبادی کے عبوری دور سے گزر رہے تھے، اور مسیحیوں کو جدیدیت کے اس عمل کی قیمت افراد کی کمی کی صورت میں چکانا تھی۔ یہ عمل نسل بعد نسل مسیحیوں کی آبادی کو کم کرتا رہا، تاہم آج مذہب کے حوالے سے بچے پیدا کرنے کی صلاحیت میں فرق ختم ہوتا جا رہا ہے، اور مسلمان بھی تغیر آبادی کی رو میں اسی طرح داخل ہو رہے ہیں۔ (ISIM Newsletter، شمارہ ۳، جولائی ۱۹۹۹ء)

© rasailojaraid.com